اجتماعی اجتہاد، ضرورت، تاریخی پس منظر، تجاویز

طارق مجاہد جہلمی، بریڈفورڈ، برطانیہ

انگریزی زبان میں Collective Diligence یا Collective Exertion in Solving a Question کہنا چاہئے۔

یہ اجماع (Consensus) کی شکل سے عبارت ہے۔

انفرادی اجتہاد پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اُس میں لُغوی اعتبار سے اجتہاد کی روایتی تعریفات میں بابِ افتعال کی صرف مبالغہ کی خصوصیات کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اگر بابِ تفاعل کی خصوصیات کے معنی کو ملحوظِ خاطر رکھ لیا جائے تو اس میں مشارکت کا مفہوم اُبھر آتا ہے۔ یعنی مل جل کر کام کرنا، جس سے اجتماعی اجتہاد کا تصور سامنے آ جاتا ہے اور اس باب میں تعامل کے معنی بن جاتے ہیں۔(۱)

> "جب سلاطین کی نوازشات کی بدولت علماء میں شریعت کی بجائے تشرع (لفظ قانون کی پیروی) کا نقطہ نگاہ پیدا ہوا تو احکامِ شریعت کی اتباع میں خلوص ناپید ہونے لگا تو اس کی کمی کو پورا کرنے کے لئے صوفیاء کرام نے تزکیہ کی خاطر طریقت پر زور دیا اور مسلم معاشرے میں شریعت و طریقت دینی زندگی کے دو مظہر بن گئے۔ جب تک سلاطین اقتدار قانون کی قوتِ نافذہ سے محروم نہیں ہوئے تھے۔ تو قانون سازی کے ذریعے اقدارِ حیات کی حفاظت کی جاتی رہی اچانک مؤثراتِ زندگی بدل گئے۔ جب مؤثراتِ زندگی، علم اخلاق، مذہب، معاشرت، معیشت، سیاست اور بین الاقوامی معیارِ زندگی بدل جائیں تو جو تدبیر اقدارِ حیات کی حفاظت کے لئے تبدیلی سے پہلے وضع کی گئی تھی، اُس کی خلاف ورزی کے بغیر زندگی کے تقاضے پورے ہونے بند ہو جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں فقہائے اسلام اجتہاد کے ذریعے طریق کار میں وہ تبدیلی لانا چاہتے ہیں، جس سے انحراف کی راہ اختیار کرنے والوں کو روکا جا سکے۔ مگر "ہمہ اجتہاد" اور فقہی اجتہاد میں فرق ہے۔"

اگر مؤثراتِ زندگی بدل جائیں اور زندگی کے تقاضے انحراف کے بغیر پورے ہونے بند ہو

جائیں تو فقہی اجتہاد بھی بے اثر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قانون کی پیروی کی آرزو ختم ہو جاتی ہے۔''(۲)

ظاہر ہے۔ ایسی صورت میں ''اجتماعی اجتہاد'' قوتِ نافذہ اور پیروی کی آرزو مہیا کرتا ہے۔ اس سے اُس کی اہمیت وفضیلت اور ضرورت عیاں ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال رحمہ اللہ ''اسلام میں دینی فکر کی تشکیل نو'' کے چھٹے خطبہ ''اسلام کی ہیئت اجتماعی میں حرکت کا اُصول'' یعنی ترقی و زندگی کا اُصول میں رقمطراز ہیں:

''فقہ اسلامی کا تیسرا مآخذ اجماع ہے اور میرے نزدیک یہ قانون اسلامی کے تصورات میں سب سے اہم ہے۔''

موجودہ صورتِ حال کو سامنے رکھ کر وہ کہتے ہیں:

اس وقت دنیا میں جو نئی نئی قوتیں ابھر رہی ہیں کچھ ان کے اور کچھ مغربی اقوام کے سیاسی تجربات کے پیش نظر مسلمانوں کے ذہن میں بھی اجماع کی قدر و قیمت اور اس کے منفی امکانات کا شعور پیدا ہو رہا ہے۔ بلادِ اسلامیہ میں جمہوری روح کا نشوونما اور قانون ساز مجالس کا بتدریج قیام بڑا ترقی زا قدم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذاہب اربعہ کے نمائندے جو سردست فرداً فرداً اجتہاد کا حق رکھتے ہیں۔ اپنا یہ حق ''مجالس تشریعی'' کو منتقل کر دیں گے۔ یوں بھی مسلمان چونکہ فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اس لئے ممکن بھی ہے تو ''اجماع'' کی شکل میں..... مزید برآں غیر علماء بھی جو ان اُمور میں گہری نظر رکھتے ہیں اس میں حصہ لے سکیں گے۔ میرے نزدیک یہی ایک طریقہ ہے جس سے کام لے کر ہم زندگی کی اُس روح کو جو ہمارے نظاماتِ فقہ میں خوابیدہ ہے ازسرنو پیدا کر سکتے ہیں۔ یونہی اس کے اندر ایک ارتقائی نقطہ نظر پیدا ہوگا۔''(۳)

آگے علامہ موصوف لکھتے ہیں:

لیکن ابھی ایک اور سوال ہے جو اس سلسلے میں کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ موجودہ دور میں تو جہاں کہیں مسلمانوں کی کوئی قانون ساز مجلس قائم ہوگی اس کے ارکان زیادہ تر وہی لوگ ہوں گے جو فقہ اسلامی کی نزاکتوں سے ناواقف ہیں۔ لہٰذا اس کا طریق کار کیا ہوگا کیونکہ اس قسم کی ''مجالس شریعت کی تعبیر میں بڑی بڑی شدید غلطیاں کر سکتی ہے۔ لہٰذا ان غلطیوں کے ازالے یا کم سے کم امکان کی صورت کیا ہوگی؟ آگے علامہ موصوف ایرانی دستور اور اُس کے خطرناک پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے سنی ممالک کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سنی ممالک اسے (مجالس تشریعی) اختیار بھی کریں تو عارضی طور پر۔ انہیں چاہئے مجالس قانون ساز میں علماء کو بطورِ ایک ''مؤثر جزو'' شامل تو کرلیں۔ لیکن علماء بھی ہر امر قانونی میں آزادانہ بحث وتمحیص اور اظہارِ رائے کی اجازت دیتے ہوئے اس کی رہنمائی کریں۔

بایں ہمہ شریعت اسلامیہ کی غلط تعبیرات کا سدباب ہوسکتا ہے تو صرف اس طرح کہ بحالت موجودہ بلاد اسلامیہ میں فقہ کی تعلیم جس نہج میں ہورہی ہے۔ اس کی اصلاح کی جائے۔ فقہ کا نصاب مزید توسیع کا محتاج ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ جدید فقہ کا مطالعہ بھی باحتیاط اور سوچ سمجھ کر کیا جائے۔'' (۴)

''مجالس تشریعی'' کے توسط سے رو پذیر ہونے والے اجماع کو علامہ موصوف کے نزدیک اسقدر اہمیت اس لئے حاصل ہے کہ اس طریق سے مختلف ملکوں کے اہل نظر وقانون کے باہم قریب آ جانے کی اُمید ہوگی لہٰذا انفرادی اور مسلکی بلکہ فرقہ وارانہ اجتہاد کی بجائے اگر مجالس تشریعی میں کسی مسئلے کی چھان پھٹک ہو جائے تو اس میں وہ لوگ جو علمائے فقہ تو نہیں مگر زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ہونے کی بنا پر اپنے تجربات کی روشنی میں رائے دینے پر قادر ہوں گے، رائے دیں گے۔

اب یہ تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا کوئی فیصلہ بھی قرآنی روح سے متصادم نہیں ہونا چاہئے۔ مجلس تشریعی اساساً قرآنی روح کو ہی بروئے کار لائے گی مگر مختلف زاویہ ہائے نظر اور گوناگوں تجارب کی عطا کردہ بصیرت کا ایک جگہ جمع ہو جانا فرحت بخش ہے۔ (۵)

چنانچہ شیخ عبدالقادر المغربی لکھتے ہیں:

''اہل یورپ نے جماعت اور اجتماع سے فائدہ اُٹھایا۔ اسے اپنے سماجی اور سیاسی اداروں کی اساس بنایا۔ جبکہ مسلمان جن کے ہاں اس کو بنیادی حیثیت حاصل تھی غافل رہے۔ مجلس اعیان، مجلس نواب، سنا تو، رشتاغ، اسمبلی، پارلیمنٹ اور مؤتمر اسلام اس کی مثالیں ہیں۔'' (۶)

بہرحال مذکورہ مباحث کا حاصل مطالعہ یہی نکلتا ہے کہ مفکرین ملت اسلامیہ انفرادی اجتہاد کی بجائے اجتماعی اجتہاد کے قائل تھے۔ مگر اس میں علماء کرام کی شمولت اور سرپرستی کی ضرورت پر بھی زور دیتے ہیں۔

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

عصری علماء کا اجتماعی اجتہاد کی ضرورت پر زور:

مولانا ابوالعرفان ندوی، ''فکر اسلامی کی تشکیل جدید: ضرورت واہمیت'' میں لکھتے ہیں:

علم کا قافلہ بہت آگے نکل چکا ہے اور تحقیق و اکتشاف کے نئے نئے گوشے اب سامنے آ چکے ہیں۔ ایک شخص کی مختلف علوم میں جامعیت ومہارت کا تصور بتدریج ختم ہو رہا ہے اس لئے یہ تو بظاہر ممکن نہیں ہے کہ دین کے عقائد و احکام کے سلسلے میں تمام باریکیوں پر نظر رکھنے والا اور جدید حالات و تقاضوں اور ضروریات پر فنی نظر رکھنے والا ایک ہی شخص ہو۔ اس لئے اس عہد میں جو اجتماعیت کا عہد ہے۔ ضروری ہے کہ نئے مسائل پر غور وخوض بھی اجتماعی طور پر ہو اور دونوں طرح کے اہل علم، ایمان واحتساب کے ساتھ نئے نئے مسائل کا حل تلاش کریں۔ (۷)

ڈاکٹر منیر احمد مغل اپنے ایک مقالہ ''شریعت کا مفہوم'' میں رقمطراز ہیں:

''دور حاضر میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت ہے تمدن کی ترقی سے جو نئے مسائل امت مسلمہ کو درپیش ہیں وہ انفرادی اجتہاد سے حل نہیں ہو سکتے۔ ان کے لئے بین الاقوامی سطح پر مسلمان فقہاء و مفکرین کی ایک ایسی مجلس کی ضرورت ہے جو پوری امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمائندہ مجلس ہو اور پورے غور وخوض اور خلوص نیت کے ساتھ ان مسائل کا حل پیش کرے اور اپنی اس رائے کو امت کے ردّ وقبول پر چھوڑ دے ایک مدت کے گزرنے کے بعد امت اسلامیہ خود بخود یا تو اس کو تسلیم کرے گی یا رد کر دے گی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق پوری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اجتہاد اور اجماع فطری طور پر دونوں ایک سے مربوط ہیں۔'' (۸)

حافظ صلاح الدین یوسف ایڈیٹر ''الاعتصام'' لاہور لکھتے ہیں:

اجتماعی اجتہاد ہی کے ذریعے سے عصری مسائل کا حل تلاش کیا جانا چاہئے جس کی صورت یہ ہے کہ عالم اسلام کے فاضل علماء کی ایسی کمیٹی تشکیل دی جائے جو اپنے اسلامی کردار اور زہد وورع میں بھی ممتاز اور اس لحاظ سے مسلم عوام میں قابل اعتبار گردانے جاتے ہیں۔ اور وہ قرآنی علوم اور

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

احادیث پر بھی گہری نظر کے ساتھ ساتھ چاروں مذاہب فقہ کی کتابوں پر دسترس رکھتے ہیں وہ ہر دو فقہ کی دو دو اہم اور بنیادی کتابیں رکھیں۔ مثلاً فقہ حنفی، المبسوط اور البدائع والصنائع، فقہ مالکی سے مؤطا امام مالک اور المدونۃ الکبریٰ، فقہ شافعی سے کتاب الام اور شرح مہذب اور فقہ حنبلی سے، المغنی لابن قدامہ اور کشاف القناع اور فقہ ظاہری سے المحلی لابن حزم اور فقہ الحدیث سے صحیح بخاری اور دوسری کتب صحاح ستہ۔ ان کتابوں میں مزید کمی و بیشی یا رد و بدل ممکن ہے۔ یہ ایک سرسری خاکہ ہے جس میں مزید رنگ و روغن بھرا جا سکتا ہے۔ ان متبحر علماء کی کمیٹی میں جدید علوم وفنون یعنی اقتصادیات، اجتماعیات، قانون وتجارت وغیرہ جملہ علوم عصریہ کے ایسے ماہرین شامل کئے جائیں، جو عقیدہ عمل کے لحاظ سے سچے اور کھرے مسلمان ہوں، تعلیم جدید نے ان کی ایمانی بنیادوں کو متزلزل نہ کیا ہو۔ بلکہ وہ عصری مسائل کا ادراک وشعور رکھنے کے ساتھ ان کے شرعی حل کا احساس و جذبہ اور دلی تڑپ بھی رکھتے ہوں تاکہ علمائے شریعت جدید عصری معاملات اور فنی (ٹیکنیکل) مسائل میں ان کی رائے اور تفصیلات پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ اور جدید مسائل کی تہہ تک پہنچنے میں علماء کو آسانی ہو۔ مذکورہ فقہی کاوشوں سے استفادہ کرتے ہوئے اور علم جدید سے بہرہ ور دیانت دار لوگوں کی رائے اور معلومات کو سامنے رکھ کر کھلے دل و دماغ سے اجتہادی مسائل کا حل اس اجتماعی طریقے سے نکالا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم عصری مسائل کو شرعی احکام کے ساتھ تطبیق نہ دے سکیں اور ان کا مناسب حل تلاش نہ کر سکیں۔(۹)

جناب ڈاکٹر طاہر القادری صاحب سرپرست ''ادارہ منہاج القرآن'' سے سوال کیا گیا کہ ''اسلامی ریاست میں اجتہاد کو قانون کا مرتبہ کس طرح حاصل ہوگا؟'' آپ اُس کا جواب اس طرح دیتے ہیں:

اس سلسلے میں میرے غور وخوض اور فکر و تامل کا نتیجہ ہے کہ عصر حاضر میں اسلامی ریاست کے لئے ''اجتماعی اجتہاد'' یعنی اجتہاد الجماعۃ ہی قانون کی حیثیت سے قابل قبول ہونا چاہئے کیونکہ امت مسلمہ میں موجودہ گروہی، مسلکی، اور طبقاتی تقسیم کے باعث واقعۃً ''اجتہاد الفرد'' یعنی انفرادی اجتہاد آج ریاستی مؤثر کردار ادا نہیں کر سکتا۔ اجتماعی زندگی میں حالات و مسائل کے تنوعات اور پیچیدگیاں بھی اس امر کا تقاضا کرتی ہیں۔ اس ''اجتہاد'' کو ''ریاستی اجماع'' کا درجہ حاصل ہوگا۔ اس کا طریقہ یہ ہونا چاہئے:

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

۱۔ ہر اسلامی ریاست اپنے اپنے مخصوص حالات و مقتضیات کے مطابق جداگانہ طور پر اجتہاد کی اجماعی صورت اپنائے۔

۲۔ ہر ریاست ایک ایسا قومی ادارہ تشکیل کرے، جو دو ایوانوں پر مشتمل ہو، ان سے ایک ''شورائے عام'' اور دوسرا ''شورائے خاص'' کہلائے۔

''شورائے خاص'' صرف اکابر علماء و فقہاء اور مختلف عصری علوم و فنون اور معاملات کے ماہرین اور محققین و متخصصین پر مشتمل ہو۔ ان میں سے بعض تناسب آبادی کے اعتبار سے منتخب کئے جائیں اور بعض معینہ کوٹے کے مطابق نامزد ہوں۔

جبکہ ''شورائے عام'' پورے ملک سے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہو۔ ان نمائندوں کے انتخاب کے لئے کم از کم معیار تعلیم اور معیارِ اخلاق مقرر ہوتا کہ وہ قومی نمائندے اہل عدالت اور اہل رائے کی شرط پوری کر سکیں۔

یہ دونوں ایوان باہمی مشاورت سے آئین قوانین ریاست کی تشکیل و توضیح کے لئے اجتہاد کریں۔

ان کا یہ ''اجتماعی اجتہاد'' بہر صورت:

۱۔ قرآن و سنت کا پابند ہو اور اجماع ماسبق کی روشنی میں واقع ہو۔

۲۔ ملک میں رہنے والے مسلمانوں کے اکثریتی فقہی مذہب کے بنیادی ڈھانچے کے مطابق ہو۔ مگر حسب ضرورت دوسرے فقہی مذاہب کو بھی جگہ دی جا سکے۔

۳۔ اگر یہ دو دیوانی مقننہ یا مجلس شوریٰ کی ضرورت محسوس کرے تو اہل علم و فکر کی کسی اور وقیع مجلس مثلاً Islamic Idealogy Council یا دیگر ماہرین Technocrate وغیرہ سے علمی اور فنی مشورہ طلب کر سکے۔

مذکورہ بالا طریقے پر اہل علم و فکر کی بھرپور، مشاورت کے نتیجے میں جو ''اجتماعی اجتہاد'' وجود میں آئے گا اسی کو اسلامی ریاست میں قانون کا درجہ حاصل ہوگا۔ یہی مجلس شوریٰ اسلامی ریاست کی پارلیمنٹ Parliament یا نیشنل اسمبلی اور سینیٹ وغیرہ کہلائے گی۔

میری تحقیق کے مطابق دورِ خلافتِ راشدہ کے اکثر اجتہادات اسی اجتماعی اور شورائی نوعیت کے تھے۔ (۱۰)

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی تجویز:

موجودہ دور میں فقہاء کی اجتہادی کوششوں کو منظم کرنے اور جدید دور کے مشہور مسائل پر ان کے اختلافات کو کم کرنے کے لئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی تجویز بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جسے انہوں نے تفصیل سے پیش کیا۔ یہاں اُن کے الفاظ نقل کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

''ہر ملک میں انجمن فقہاء قائم کی جائے۔ کسی مقام پر اس کا صدر مرکز ہو۔ یہ مرکز پاکستان بھی ہوسکتا ہے اور پاکستان سے باہر بھی۔ حتیٰ کہ ماسکو اور واشنگٹن میں بھی ہوسکتا ہے اس میں کوئی امر مانع نہیں۔ کیونکہ یہ صرف مسلمانوں کا ایک مخصوص ادارہ ہوگا۔ جہاں بھی مرکز ہو اس کو سوال پیش کیا جائے گا۔ اگر سیکریٹریٹ کی رائے میں وہ سوال واقعی اس کا متقاضی ہو۔ مسلمان فقہاء عالم رائے دیں تو اس سوال کو اپنی ساری شاخوں کے پاس روانہ کردے گا۔ اسلامی ممالک کی شاخوں کو بھی اور غیر اسلامی ممالک کی شاخوں کو بھی۔ ہر شاخ کا سیکریٹری اپنے ملک کے سارے مسلمان قانون دانوں کے پاس اس سوال کی نقل روانہ کر کے درخواست کرے گا۔ تم اپنا مدلل جواب اس کے متعلق روانہ کرو جب اس کے پاس یہ جواب جمع ہو جائیں تو مرکز کو روانہ کرے گا کہ یہ متفقہ جواب ہے۔ اگر اختلافی جواب ہو تو اختلافات کے ساتھ۔

غرض جب ساری شاخوں کے پاس سے جواب آ جائے اور دیکھا جائے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے تو اس امر کا اعلان کیا جا سکتا ہے کہ اس جواب پر سب متفق ہیں۔ لیکن اگر اختلاف ہو تو دلیلوں کا ایک خلاصہ تیار کیا جائے اور دوبارہ اس کو گشت کرایا جائے تا کہ جن لوگوں کی پہلے رائے تھی ان کے سامنے مخالف دلیلیں بھی آئیں اور انہیں غور کرنے کا موقع ملے۔ ممکن ہے وہ اپنی رائے بدل کر اس دوسری رائے پر متفق ہو جائیں۔ جو ان کے مخالفین کی تھی۔ جب اس طرح کافی غور و خوض کے بعد دوبارہ تمام شاخوں سے مرکز کے پاس جواب موصول ہو جائیں تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ کس چیز پر اجماع ہوا ہے اور کس چیز پر اختلاف رائے ہے۔

نیز یہ کہ اختلافی پہلو پر اکثریت کی رائے کیا ہے؟ ان سب نتائج کو ایک رسالہ کی صورت میں شائع کیا جائے۔ جس میں جوابات مع دلائل درج ہوں۔

یہ میرا تصور ہے کہ ہمارے زمانے میں اجماع کا اگر ہم ایک ادارہ بنانا چاہیں تو کس طرح بنائیں اور کس طرح اس سے استفادہ کریں۔ یہ قطعاً ممکن نہیں کہ دنیا بھر کے ماہر فقہائے اسلام کو

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

مستقل طور پر ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ وہ کسی چند روزہ اجتماع میں شرکت کے لئے آ تو سکتے ہیں لیکن ساری عمر ایک مقام پر گزارنا ان کے لئے ممکن نہیں ہے اور نہ ہی ان ملکوں کے لئے جہاں کے باشندے ہیں فائدہ مند چیز ہوگی کیونکہ ان کی خدمات سے ان کے ہم وطن محروم ہو جائیں گے۔ اس کے برخلاف اگر اس طرح انجمن بنائی جائے تو وہ اپنی رائے آسانی کے ساتھ دے سکتے ہیں اور اس سے ساری دنیا کے لوگ استفادہ کر سکتے ہیں۔(۱۱)

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی کی تجویز پر تجویز:

اس مثالی اجماع (ڈاکٹر حمید اللہ کے تجویز کردہ) کی تنظیم کے ساتھ ساتھ ملکی سطح پر نئے مسائل کے باب میں علماء کی اجتماعی رائے معلوم کرنے اور پھر اسے مشتہر کرنے کا انتظام کرنا بہت ضروری ہے۔ یہ بات اس وجہ سے اور زیادہ توجہ طلب ہے کہ ہر ملک میں سماجی و معاشی زندگی سے متعلق نئے نئے مسائل اُبھرتے رہتے ہیں اور بعض اوقات ایک ملک یہ مسائل مقامی مخصوص صورتِ حال کی پیداوار ہوتے ہیں جو دوسرے ملک میں نہیں پائے جاتے یا وہاں کے مسائل مختلف ہوتے ہیں۔ عام مسلمان ان کے بارے میں شریعت کا نقطہ نظر جاننے کے لئے سرگرداں رہتے ہیں۔ وہ انفرادی طور پر فقہاء یا مفتیانِ کرام سے رجوع کرتے ہیں اور بعض دفعہ ایک مسئلہ پر دو فقیہوں کے فتوے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ اور لوگ حیص بیص میں مبتلا رہتے ہیں کہ کس پر عمل کریں۔ اس صورتِ حال میں بہتر ہوگا ہر ملک کی راج دھانی یا وہاں کے کسی بڑے شہر میں اجماع کی ادارتی تنظیم قائم کی جائے اور فقہاء کا ایک مرکزی بورڈ تشکیل دیا جائے اور تمام صوبوں یا علاقوں کے معروف فقہاء کو اس مرکزی بورڈ سے منسلک کیا جائے۔ درپیش مسائل کے بارے میں ان کی اجتماعی رائے معلوم کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ خواہ ان کی میٹنگ بلا کر اور باہمی تبادلہ خیال کے ذریعہ یا تحریری صورت میں علیحدہ علیحدہ اُن کی رائے حاصل کر کے اور ان کے اختلاف کی صورت میں دوبارہ غور وفکر کے لئے وہی طریقہ اپنایا جائے جس کا ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ بالا تجویز میں ذکر ملتا ہے اور پھر اس مسئلہ میں فقہاء کے متفقہ فیصلہ یا ان کی اکثریت کی رائے نافذ العمل قرار دے کر عام مسلمانوں کو اس سے باخبر کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ اس سے فقہی اختلاف بھی کم ہو جائیں اور ہر دور میں اُبھرنے والے نئے مسائل سے متعلق شریعت کا مؤقف واضح ہوتا رہے گا۔

☆ لا اجتہاد عند ظہور النص ☆ نص کی موجودگی میں اجتہاد جائز نہیں ☆

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس طور پر اجتماعی غور وفکر کے نتیجے میں جو فتوے یا فیصلے سامنے آئیں گے وہ عوام میں قابل قبول ہوں گے۔ اس لئے کہ (جیسا اوپر اشارہ کیا گیا)۔

اجتماعی رائے بہر حال انفرادی رائے کے مقابلہ میں زیادہ وزن رکھتی ہے۔

ظاہر ہے کہ ان تمام کوششوں کی بارآوری اس پر منحصر ہے کہ کسی مسئلہ پر غور کرتے وقت علماء مسلکی اختلافات، جماعتی تعصبات اور ذاتی رجحانات سے بلند ہو کر اس رائے پر اتفاق کریں، جو قرآن وسنت کے زیادہ قریب نظر آئے۔ (۱۲)

ختم رسالت کا اعجاز:

علوم جدید سے پیدا ہونے والے نئے مسائل سے انکار یا صرف نظر بھی ممکن نہیں ہے اور نہ کسی نبی کی بعثت کا امکان ہے۔ ایسے میں دین اسلام کی شانِ کمال کے اظہار اور ضروریاتِ انسانی کی تکمیل کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ پرانے اُصول نئے مستند علماء کی توجہات کا مرکز بنیں اور اخذ واستنباط کی ان وسعتوں کو کام میں لایا جائے جو ہر غائب وموجود، ہر جدید وقدیم کے خالق، خداوند قدوس نے اپنے دین متین میں ملحوظ رکھی ہیں۔ کیونکہ وہ علم ازل میں یقیناً یہ بات جانتا تھا۔ اسے اپنی دنیا کو کہاں سے کہاں تک لے جانا ہے۔ اس لئے اگر ہم مسلمان ہیں، اگر ہم تکمیل دین پر ایمان رکھتے ہیں اور اگر ختم نبوت کا عقیدہ ہماری اساس ہے اور الحمدللہ ایسا ہی ہے تو ہمیں یقین کرنا ہوگا کہ ہمارے یہی اصول نہ صرف موجودہ ضرورتوں بلکہ قیامت تک پیش آ سکنے والی تمام ضرورتوں کے لئے ایسے ہی کافی ہیں جیسے کہ کبھی تھے۔ کیونکہ گو نزولِ وحی کا دروازہ بند ہے۔ لیکن اخذ واستنباط کی راہیں کھلی ہیں۔ اب مسلمانوں نے اگر ارشادِ ربانی کے مطابق جب زندگی کی ضروریات کے لئے قرآنِ کریم اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے استفادہ کے طریقے متعین کئے تو اسے قرآنِ کریم اور ختم رسالت کا اعجاز کہنا چاہئے کہ جو قواعد وضوابط مقرر کئے گئے ہیں وہ دنیا کے کسی انقلاب اور زمانے کے کسی تغیر سے بیکار یا بے اثر نہیں ہوئے اور انہی قدیم پیمانوں سے اسے اس نئی دنیا کی پیائش بھی بہ آسانی ممکن ہے اور اس قیاس واستنباط واجماع میں ان تمام مسائل کا حل موجود ہے جنہیں علومِ جدیدہ کا سیل رواں اپنے ساتھ لایا ہے۔

ادیانِ سماوی کا وہ آخری قانون جسے تمام چیزوں کے جاننے والی ذات حکیم نے دنیا میں آ

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

سکنے والے انقلابات وتغیرات کی رعایت اور انسانی ضروریات کا لحاظ کر کے تعلیم فرمایا اس میں اتنی جامعیت ہو کہ وہ ترقی پسند انسان کی ہر دور میں کامل رہنمائی کے لئے کافی ہو۔ اس لئے یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے اسلامی اصول، عام اس سے کہ منصوص ہوں یا مستنبط، انشاء اللہ بشرط غور وفکر تدبر تمام مسائل کے لئے کافی ووافی ہیں۔ (۱۳)

اجماع بحیثیت ادارہ:

اجماع اس دور میں تقریباً ''اجتماعی اجتہاد'' کا ہم معنی ہو گیا ہے اجماع کو باقاعدہ ایک ادارے کی شکل دینا اس دور میں بے انتہا ضروری ہو گیا ہے۔ قرآنِ مجید نے جس ''امرھم شوریٰ بینھم'' کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کی عملی شکل اجماع کا ادارہ ہے۔ اجماع کے اس ادارے میں پوری امت کی نمائندگی ضروری ہے بلاشبہ اس دور میں جدید فقہ کی ضرورت ہے اسے ''انفرادی اجتہاد'' کے ذریعے وجود میں لایا نہیں جا سکتا۔ اس کے لئے ''اجتماعی اجتہاد'' کی ضرورت ہے۔ یہ ''اجتماعی اجتہاد'' اُسی وقت ہو سکتا ہے جب اجماع کو باقاعدہ ادارے کی شکل دے دی جائے۔ (۱۴)

قانونِ اجماع:

چونکہ زمانہ کے حالات بدلتے رہتے ہیں اور انسان کی معاشرتی اور تمدنی زندگی میں تغیر رونما ہوتا رہتا ہے اس لئے نئے پیش آمدہ حالات ومسائل اور ان کے تصفیہ کے لئے اسلامی حکومت کے اصحابِ علم وتدبر کی رائے عامہ کسی قانونی معاملہ میں متحد ہو جانا اجماع امت ہے اور اس اتحاد کے بعد اسلامی معاشرہ کی پوری رائے عامہ جمع ہو جاتی ہے۔ اور بقول علامہ ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ خدا وند عالم نے امت مسلمہ کو امت وسطی وبہترین امت کا خطاب دیا ہے اور اس کو تمام دنیا کے انسانوں کے لئے حجت قرار دیا ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ امت کا اجماع فی نفسہٖ حق ہے اور اس امت کا اجماع اُصولاً صحیح اور قابل عمل ہے۔

کیونکہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر اکٹھی نہ ہوگی۔ عہد نبوت سے لے کر قیامت تک صالح اور متدین مسلمانوں کی رائے عامہ کا اجماع تقلید ہے۔ البتہ اجماع کے لئے شرط ہے کہ وہ اساسی قانون کے مطابق ہو، مسلمان جس فیصلہ پر مجتمع

ہوں۔ وہ قانونِ الٰہی کی منشا کے خلاف نہ ہو۔ اگر فاسق اور بدکار اشخاص مسلمانوں کی صورت میں مجتمع ہو کر اپنی رائے پر جمع ہو جائیں اور وہ رائے اُصولِ دین کے خلاف ہو تو اس کو قانونِ اجماع کا درجہ حاصل نہ ہوگا۔

بقول حضرت علامہ ابوالبقا حنفی اُمت محمدیہ کے ارباب اجتہاد (راسخ العلم فقہاء مفکرین و مدبرین) کا قانونی حکم پر جمع ہو جانا اجماع امت ہے۔ اس کو قانونی طور پر حجت سمجھا جاتا ہے۔ قانونِ اجماع کے جو نظائر تواتر اور تسلسل کے ساتھ رہیں تو انکو قانون کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔(۵)

اصل سرچشمہ وحی و نبوت ہے:

جمہور مسلمانوں کے نزدیک شریعت کے وہ اصول جن سے اخروی نفع و نقصان یا دنیوی احکام ثابت کئے جاسکیں وہ صرف چار ہیں۔

(۱) قرآنِ حکیم (۲) سنت رسول ﷺ یعنی حدیث (۳) اجماع (۴) قیاس۔

ان میں قرآنِ کریم اور سنت رسول یعنی حدیث کو اصل الاصول کی حیثیت حاصل ہے اور یہی دراصل اجماع اور قیاس کے لئے سرچشمہ اور مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ اجماع بھی کسی ایسی بات پر منعقد ہوتا ہے، جو خبر واحد یا قیاس یا کسی اور طریقے پر مفہوم ہو۔ کسی بے بنیاد امر پر اجماع کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ جو جی میں آئے اس پر اجماع منعقد کرلیا جائے۔

شریعت میں اپنی طرف سے کسی چیز کا عقل اضافہ نہیں کرتی بلکہ وہی بات یعنی نتائج و احکام کو جو روغن وحی و نبوت کے ان معلومات میں چھپا ہوا تھا۔ عقل کی مشین ان کو ہی اپنی طاقت کی حد تک نچوڑنے کی کوشش کرتی ہے اسی کوشش کا نام اجتہاد ہے۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی فتوحاتِ مکیہ میں ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں:

یہ جاننا چاہئے کہ نئے سرے سے کسی حکم کا پیدا کرنا اجتہاد نہیں ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے شریعت میں جس اجتہاد کا اعتبار ہے وہ قرآن و سنت سے دلیل تلاش کرنے میں جدوجہد کرنا یا اجماع، یا زبانِ عربی کے محاورات کی رہنمائی میں کسی خاص مسئلہ میں کسی ایسے حکم کو ثابت کرنا ہے جو دلیل سے پیدا ہوتا ہو جس کی تلاش میں تم نے کوشش کی اور اپنے خیال میں اس حکم کا علم اسی دلیل سے تمہیں حاصل ہوا۔ بس اسی کا نام "الاجتہاد" ہے یعنی شریعت میں یہی اجتہاد بہتر ہے۔

پھر آگے شیخ اکبر لکھتے ہیں:

ایک عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر (سنن ابوداود و ترمذی)

''کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے۔ پس ''الدین'' کسی زیادتی کو قبول نہیں کر سکتا۔ اگر کہا جائے کہ دین میں اضافہ کی گنجائش ہے تو دین کے نقص کے ہم معنی ہوگا۔'' (۱۶) دین میں اضافہ کی گنجائش نہیں۔ ہمارے لئے وہی معتبر و معیارِ شریعت ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہمیں بھیجی۔

اب رہا ''اجماع'' یہ قرآن مجید اور حدیث کے بعد شریعت اسلامیہ کا ماخذ ہے۔ لہٰذا اس کا بھی شرعی دلیل بننے کی صلاحیت کا انحصار ان دونوں پر ہے۔ یعنی قرآن وسنت پر ہے۔

اصولیین نے اس کی حسب ذیل تعریفات مرقوم کی ہیں۔

۱۔ ایک زمانے کے عام فقہائے مجتہدین کے کسی شرعی حکم پر اتفاق کر لینے کو اجماع کہتے ہیں۔

۲۔ بعض اُصولیین نے علمائے امت، اربابِ حل وعقد یا پھر اہل رائے واجتہاد کا نام اجماع رکھا ہے۔

۳۔ سیف الدین آمدی اور کچھ دوسرے اُصولیین کی رائے میں امت مسلمہ کے اتفاق کا نام اجماع ہے۔

۴۔ بعض امور شرعیہ میں اجماع کو حجت مانتے ہیں اور اُمورِ عرفیہ وعقلیہ میں بھی۔

۵۔ محمد شوکانی کی رائے ہے اُمورِ شرعیہ کی قید درست نہ ہوگی۔ بلکہ اس کی جگہ کسی بھی ''امر'' پر اجماع کرنا ہوگا۔ اب ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ امت کے اہل علم وفضل سب کے سب کسی امر پر اتفاق رائے کر لیں جس کے لئے ان کے پاس دلیل شرعی نہ ہو۔ (۱۷)

شوریٰ:

اسلامی حکومت میں شوریٰ یا مجلس اہل حل وعقد یعنی حکومت کے مدبروں اور مشیروں کا مرکزی ادارہ جس کے ارکان اپنے اعلیٰ کردار اور بلند خدمات کی وجہ سے امت کے اعتماد کا مرکز ہوتے ہیں۔ اسلامی حکومت کی جان ہے۔ شوریٰ کے فیصلے قانونِ اساسی کو پیش نظر زمانہ کے تغیر پذیر حالات کے مطابق ہوتے ہیں، شوریٰ اسلامی حکومت دنیا کی تمام جمہوری حکومتوں سے ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

شوریٰ کی قانونی حیثیت:

شوریٰ کی قانونی حیثیت یہ ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے۔ نہ صرف امت کے لئے بلکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا۔ ''وشاورھم فی الامر'' یعنی حکومتی معاملات میں شوریٰ پر عمل کیجئے اور مسلمانوں کے اجتماعی تعامل کے متعلق باضابطہ طور پر فرمایا گیا۔ ان کی حکومت کے کام شوریٰ سے انجام پاتے ہیں۔ سورۃ شوریٰ اس پر شاہد عادل ہے۔ (۱۸)

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابو عبید) ☆☆☆

تاریخی پس منظر:

صحابہ کرام کے تعامل میں بھی اجماع کی نظیریں موجود ہیں۔ جو اجماع کی حجیت کو ثابت کرتی ہیں۔ مثلاً چند نظیریں حسب ذیل ہیں:

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس امت میں سب سے پہلا کام جو صحابہ کرام نے کیا وہ اجماع ہوا۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر اجماع۔

۲۔ شراب نوشی کی سزا ۸۰ کوڑے، اجماع صحابہ سے طے ہوئی اور غیر متبدل قانون بن گئی۔

۳۔ کاریگر کو اجماع صحابہ سے دی ہوئی چیز کا ذمہ دار قرار دیا گیا کہ اگر وہ تلف ہو جائے تو اسے قیمت ادا کرنی ہوگی۔

۴۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد کرنا اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔

۵۔ مفتوحہ علاقے کی زمین اجماع صحابہ ہی سے اوقاف میں شامل کی گئی۔

اسی طرح کی اور مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جو کہ اجماع صحابہ کی وجہ سے مستقل قانون بن گئے۔ (۱۹)

حضرت عمر کا خیال:

مفسرین کرام کی تحقیقات سے ہمارے سامنے غور و فکر کی نئی راہیں ضرور سامنے آتی ہیں۔ لیکن یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مفسرین کی تفسیر ہے۔ قرآن کا حقیقی مطلب نہیں ہے، جس طرح حالات نے ان کے سامنے نئی راہیں کھولیں۔ اس طرح آئندہ زمانے میں محققین کی نظر دوسرے پہلوؤں پر بھی پڑ سکتی ہے۔ عہد صحابہ میں بھی اس کی نظیریں مل جاتی ہیں۔ مثلاً عراق کی فتوحات کے بعد صحابہ کا اصرار تھا کہ ساری مفتوحہ اراضی مالِ غنیمت کے اصول پر فوج کے درمیان تقسیم کر دی جائے لیکن حضرت کا خیال تھا کہ اگر ایسا ہوا تو سلطنت چھوٹی چھوٹی زمینداریوں میں بٹ جائے گی۔ اس کی وجہ سے نہ اجتماعی نظام قائم ہو سکے گا، نہ سلطنت کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام ہو پائے گا لیکن دوسرے صحابہ سابق نظیر کی بنا پر تقسیم پر مصر تھے۔ بالآخر سورۂ حشر کی آیت "وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ" نے تقسیم کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ یہ آیت سب کے سامنے تھی۔ لوگ تلاوت بھی کرتے رہتے تھے۔ مگر اس کا خاص پہلو اس سے پہلے کسی کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ مگر جب اس موقع پر

☆ کتاب و سنت سے اخذ کردہ احکام، فقہی احکام کہلاتے ہیں ☆

پڑھی گئی تو سب کی آنکھیں کھل گئیں۔(۲۰)

محولہ بالا دلیل سے جہاں اجماع کے تاریخی پس منظر پر نظر پڑتی ہے، وہاں اس امر کی بھی دلیل میسر آتی ہے کہ اجماع قرآن وسنت سے ماخوذ دلیل پر ہوا کرتا ہے۔

اجماع کے ناسخ ہونے کی بحث:

حنفی اصولِ فقہ کی معروف کتاب ''کشف الاسرار'' شرح اُصول بزدوی میں علامہ عبدالعزیز بخاری لکھتے ہیں:

''ہمارے بعض مشائخ کے نزدیک جن میں عیسیٰ بن ابان شامل ہیں۔ اجماع، کتاب، سنت اور اجماع کا ناسخ ہوسکتا ہے۔ بعض معتزلہ نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے۔ انہوں نے اس روایت سے سند لی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جب حضرت عثمان نے دو بھائیوں کی موجودگی کی وجہ سے ماں کا حصہ تہائی کی بجائے چھٹا کر دیا تو حضرت ابن عباس نے دریافت فرمایا کہ جب قرآن کا حکم ہے کہ کئی بھائی ہوں تو ماں کا حصہ چھٹا ہوگا۔ تو آپ نے ماں کا حصہ کیسے کم کر دیا جبکہ دو بھائی کئی بھائی (بھائی کی جمع) نہیں ہیں۔

''حضرت عثمان نے فرمایا کہ اے لڑکے تیری قوم نے اس کا حصہ کم کر دیا ہے۔''

اس روایت کو اجماع کے ناسخ ہونے کے جواز کی دلیل کہا گیا۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو اجماع منعقد ہوا۔ اس کی رو سے صدقات میں مؤلفین قلوب کا حصہ ختم کر دیا گیا۔ تیسرے یہ کہ اجماع شرع کے ان دلائل اور حجتوں میں سے ہے جو کتاب اور سنت کی طرح علم کا وجوب بہم پہنچاتی ہیں۔ چنانچہ نصوص کی طرح اس سے بھی نسخ جائز ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اجماع مشہور خبر سے زیادہ قوی ہے جب خبر مشہور سے نسخ جائز ہے جیسا کہ اس کی بنا پر نص کا اضافہ کیا جا سکتا ہے جو نسخ کی ایک شکل ہے تو اجماع تو اس سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔(۲۱)

اوپر کی مثال اجماع صحابہ کی ہے، مگر جمہور فقہاء کا اس سے اتفاق نہیں۔ اور سارے حنفی فقہاء کی بھی یہ رائے نہیں تھی۔ راقم السطور کا مقصد اس روایت کو بیان کرنے کا یہ ہے۔ اجماع صحابہ ہوا اور اجماع کی تاریخی حیثیت موجود ہے۔ اس سے کسی مسئلے کے اثبات یا نفی کے مقاصد نہیں ہیں۔ صرف اجماع کی اہمیت واضح کرتا ہے۔

☆ قال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ : الفقہاء کلھم عیال ابی حنیفہ فی الفقہ ☆

قانونِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین:

قانونِ صحابہ مستقل قانون نہیں بلکہ قانونی تفصیلات پر مبنی ہے۔ جس طرح قانونِ سنت کا ماخذ قرآنِ حکیم ہے۔ اسی طرح قانونِ صحابہ کا مآخذ کتاب وسنت دونوں ہیں۔ صحابہ کی قانونی حیثیت یہ ہے کہ وہ اسلام کے اولین زمانہ قانون میں موجود تھے۔ ان کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے مستند قرار دیا گیا ہے۔ ان کے دل نورِ نبوت سے مستعیر تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے صحابہ کے راستے کو ہی راہِ نجات اور صراطِ مستقیم فرمایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قانونِ اسلامی کو بخوبی سمجھتے تھے، علم صحیح اور عمل صالح سے بہرہ مند تھے۔ ان میں خلفاء راشدین بھی تھے۔ عہد نبوی کے گورنر، سپہ سالارانِ افواجِ اسلامی بھی۔ اسی لئے ہم لوگوں سے زیادہ صحابہ کو قرآنی قانون کی تشریح کا حق حاصل ہے۔

بقول ابن قیم: صحابہ اپنے تشخص میں اجتماعی ہیئت کے سردار اور قائد تھے، اور صحابہ کے عدل (راستبازی) ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

اسی لئے علامہ ابواسحٰق شامی غرناطی نے فرمایا: **سنت الصحابة كسنت الرسول۔**

صحابہ کا قانون، قانونِ سنت کی طرح ہے کیونکہ یہ قانونی تفصیلات تشریحات اور نظائر مہیا کرتا ہے۔ (۲۲)

نوٹ:

اجماع صحابہ اور صحابی کی رائے میں فرق ہے۔ صحابی کی رائے انفرادی حیثیت رکھتی ہے اور اجماع صحابہ، صحابہ کرام کا متفقہ فیصلہ ہوتا ہے جہاں تک انفرادی رائے کا تعلق ہے، وہ مختلف صحابہ کی مختلف ہوسکتی ہے۔ اور ہوئی ہے ان راویوں میں امت کو اختیار ہے خواہ وہ کسی بھی رائے کو اختیار کرے۔ کسی بھی رائے کو چھوڑ دے۔ لیکن اجماع صحابہ کو چھوڑا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ یہ مسلمہ حقیقت بن جاتا ہے۔ (۲۳)

تغیر آیتِ الٰہی ہے:

چونکہ خدا تعالیٰ ہی تمام کائنات اور زندگی کی روحانی بنیاد ہے۔ اس لئے خدا سے وابستگی درحقیقت انسان کی اپنی بلند ترین خودی سے وابستگی کے مترادف ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے کائنات کی

یہ بنیادی حقیقت ازلی ہے جو ہر لحہ اور ہر آن ایک نئی شان سے ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے یہ ازلی اور ابدی حقیقت مرور زمانہ سے مختلف لباسوں میں جلوہ گر ہوتی ہے چنانچہ وہ مثالی ہیئت اجتماعیہ جو اس بنیادی حقیقت پر تعمیر ہوگی۔ یقیناً اسی طرح پائداری اور تبدیلی کا مجموعہ ہوگی۔ اس کی اجتماعی زندگی کے روزمرہ کے حالات کو استوار کرنے کے لئے چند پائدار اساسوں کی ضرورت ہوگی اور اسی سے اس تغیر پذیر ماحول میں اس کو پائیدار ارتقاء حاصل ہو سکے گا۔ لیکن اگر یہی اساس اُصول تمدنی زندگی کے تغیرات کی رہنمائی نہ کر سکے تو اس کا نتیجہ جمود اور تباہی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ اسی پائیداری اور تبدیلی کی ہم آہنگی کو ہر زمانے اور ہر دور میں قائم رکھنے کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے۔

اوپر کی عبارت کے معنی زیادہ واضح کرتے ہوئے اس کی تشریح اس طرح ہے کہ اسلام بحیثیت ایک ثقافتی تحریک کے کائنات کو جامد اور غیر متحرک نہیں مانتا۔ اس کے نزدیک کائنات تغیر اور حرکت سے عبارت ہے لیکن اس کی اساس روحانی اور ابدی ہے اس ابدیت کا زمانی اور تاریخی اظہار تغیر اور تنوع کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، دوسرے الفاظ میں اسلام اثبات اور تغیر کا یکساں لحاظ رکھتا ہے وہ ابدی اُصولوں کی رہنمائی میں اجتماعی زندگی کو منظم کرتا ہے یہ ابدی اُصول تغیر کے منافی نہیں۔ کیونکہ تغیر قرآن حکیم کے لحاظ سے خدا کی آیات میں سے ایک زبردست آیت ہے اور جب ابدیت کے اُصولوں کی تعبیر اس طرح کی جائے کہ تغیر خارج از امکان ہو جائے تو زندگی جامد ہو جاتی ہے۔ اگر یورپ کی ناکامی کی وجہ ابدی اُصولوں سے چشم پوشی ہے تو پچھلی صدیوں میں اسلام کا جمود تغیر سے بے اعتنائی کا مرہونِ منت ہے۔ لہٰذا اجتہاد سے اُصول اسلام میں حرکت کا اظہار ہوتا ہے۔ (۲۴)

یعنی اجتہاد زندگی کی حرکت و حرارت کا اصول ہے۔

آخری بات:

ڈاکٹر خالد مسعود، اپنی علمی و تحقیقی اور فکری کتاب اقبال کا تصورِ اجتہاد میں عہد حاضر کے علماء کی اجتماعی رائے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اجماع اور اجتہاد کے بارے میں علامہ اقبال نے ایک طرح سے دو اجتہادات پیش کئے تھے۔ ایک تو اجتہاد کے انفرادی کی بجائے اجتماعی عمل کا تصور، دوسرے قانون ساز اسمبلیوں سے اجماع اور اجتہاد یا اجتماعی اجتہاد کے اداروں کا کام لینے کی تجویز۔

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابوزرعہ)

ان میں سے پہلی بات تو علماء میں خاصی مقبول ہوئی۔ اور بہت سے علماء کے ہاں اس کی تائید ملتی ہے۔ اگرچہ اس میں براہِ راست اقبال کے حوالے سے بات نہیں کی گئی۔ تاہم پاکستان سے مولانا محمد یوسف بنوری اور بھارت میں مولانا تقی امینی نے بہت زور کے ساتھ انفرادی کی بجائے اجتماعی اجتہاد پر زور دیا ہے۔ دوسرے اسلامی ممالک میں اس خیال کو حمایت حاصل ہوئی۔ چنانچہ شیخ ابوزہرہ (الاجتہاد فی الفقہ الاسلامی)، مصطفیٰ احمد الزرقا، (الاجتہاد ومجال التشریع فی الاسلام) اور شیخ عبدالقادر المغربی نے (البینات) میں بہت زور دیا۔ البتہ اس اجتماعی اجتہاد کی شکلیں کیا ہوں گی۔ اس پر علامہ اقبال کے خیال کو مقبولِ عام حاصل نہ ہوسکا۔ اکثر علماء نے جن میں شیخ ابوزہرہ اور مصطفیٰ زرقا بھی شامل ہیں۔ علماء کی خصوصی مجالس اور تحقیقاتی اداروں کی تشکیل کی تجاویز دی ہیں۔ لیکن یہ اختیارات قانون ساز اسمبلیوں کو دینے کی تائید علماء کی جانب سے ابھی تک نہیں ہوئی۔

قیامِ پاکستان کے بعد اگرچہ قانون ساز اسمبلی میں واضح اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ اور اس لحاظ سے علامہ اقبال کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانا ''ممکن'' تھا کہ اسمبلی کو اجماع واجتہاد کا ادارہ بنا لیا جائے لیکن بوجوہ ایسا نہ ہوسکا۔

اس کی بجائے پہلے پہل علماء کا خصوصی بورڈ قائم ہوا، جو قانون ساز اسمبلی کی کارروائی کی نگرانی ورہنمائی کر سکے۔ تحقیقی ادارے مثلاً تحقیقاتِ اسلامی وغیرہ قائم ہوئے۔ علماء کی مجالس ''اسلامی مشاورتی کونسل'' اور اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے آئینی تحفظات کے ساتھ قائم ہوئیں۔ لیکن چونکہ قانون ساز اسمبلی کا باقاعدہ حصہ نہیں تھیں۔ اس لئے علامہ اقبال کی تجویز عمل میں نہیں لائی جا سکی۔ اور وہ طریقہ جسے وہ سنی ملکوں کے لئے خطرناک سمجھتے تھے۔ وہ اکثر اسلامی ممالک میں رائج چلا آرہا ہے۔ (۲۵)

راقم السطور نے یہ مقالہ ''اجتماعی اجتہاد'' کے حوالے سے مسلمان مفکرین اور علماء کی تحقیقات کی روشنی میں پیش کیا ہے تاکہ ملت اسلامیہ اس کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کا حل اجتماعی انداز سے تلاش کرے کہ اجتماعی آراء سے فائدہ لینے پر ملت کے عظیم علماء ومفکرین متفق ہیں۔

عمدہ لکھائی ——— بہترین چھپائی
مسودہ دیجئے ——— کتاب لیجئے
جمیل برادرز
ناظم آباد نمبر ۲

حوالہ جات

۱۔ مسعود، خالد، ڈاکٹر، اقبال کا تصور اجتہاد، ص ۱۱۲، مطبوعہ مطبوعاتِ حرمت، راولپنڈی ۱۹۸۵ء
صدیقی، ساجد الرحمٰن، ڈاکٹر کشاف اصطلاحاتِ قانونِ اسلامی، جلد اوّل، ص ۲۶، مطبوعہ مقتدرہ زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء۔

۲۔ فاروقی، برہان احمد، ڈاکٹر، سوال و جواب، بحوالہ منہاج، اجتہاد نمبر، ص ۲۵۲، ۲۵۳، مطبوعہ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ، لاہور ۱۹۸۳ء۔

۳۔ اقبال، محمد، ڈاکٹر، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، اردو ترجمہ، سید نذیر نیازی، ص ۲۲۸، مطبوعہ بزمِ اقبال، لاہور ۱۹۵۸ء۔

۴۔ ایضاً۔ ص ۲۷۰، ۲۷۱۔

۵۔ محمد منور، مرزا، ڈاکٹر، اقبال اور اجتہاد، بحوالہ منہاج، اجتہاد نمبر، ص ۴۸، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء۔

۶۔ مغربی، عبدالقادر، شیخ، البینات فی الدین والاجتماع والادب والتاریخ، جلد اول، ص ۹۸، بحوالہ اقبال کا تصورِ اجتہاد، ڈاکٹر خالد مسعود، ص ۳۹، مطبوعہ مطبوعاتِ حرمت، راولپنڈی، ۱۹۸۵ء۔

۷۔ ندوی، ابوالعرفان، فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ضرورت و اہمیت اور لائحہ عمل، بحوالہ فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ص ۸۷، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

۸۔ منہاج، نفاذِ شریعت نمبر، ص ۴۲۲، مطبوعہ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور ۱۹۹۱ء۔

۹۔ منہاج، اجتہاد نمبر، ص ۲۸۵، ۲۸۶، مطبوعہ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور ۱۹۸۳ء۔

۱۰۔ منہاج، اجتہاد نمبر، ص ۳۰۱، ۳۰۲، مطبوعہ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور ۱۹۸۳ء۔

۱۱۔ فکر و نظر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ نمبر، ص ۱۸۹، ۱۹۰، مطبوعہ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۲۰۰۳ء

۱۲۔ ایضاً۔ ص ۱۹۰، ۱۹۱۔

۱۳۔ بجنوری، ریاست علی، فقہ حنفی میں فہم معانی کے اُصول، بحوالہ فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ص ۱۲۸، ۱۲۹، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

۱۴۔ سوز، انور علی، نوراسخ العقیدگی اور فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ص ۲۷۹، بحوالہ فکر اسلامی کی تشکیل نو، مطبوعہ لاہور۔

☆ الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد ☆ اجتہاد اجتہاد کے ساتھ باطل نہیں ہوگا ☆

۱۵۔ محبوب علی، مولوی، تشریح و تفہیم و تشریح مسائل مندرجات کتاب ہدایت المسلمین، ص ۳۱۸، مطبوعہ نظامت اوقاف، مظفر آباد، آزاد کشمیر ۱۹۸۰ء۔

۱۶۔ گیلانی، مناظر احسن، سید، مقدمہ تدوین فقہ، ص ۳۲، ۳۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، لاہور ۱۹۷۶ء

۱۷۔ انصاری، محمد اقبال، ڈاکٹر، اجماع شریعت اسلامی کا تیسرا مآخذ، بحوالہ فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ص ۱۵۰، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔

۱۸۔ محبوب علی، مولوی، تشریح و تفہیم و تشریح مسائل مندرجات کتاب ہدایت المسلمین، ص ۳۱۹، ۳۲۰، مطبوعہ، نظامت اوقاف، مظفر آباد آزاد کشمیر، ۱۹۸۰ء۔

۱۹۔ حسینی، عطاء اللہ، سید، اسلامی نظام ایک مطالعہ، ص ۳۶۰، مطبوعہ گردیزی پبلشر، کراچی ۱۳۹۹ھ

۲۰۔ قدوائی، عبدالسلام، مولانا، اسلامی شریعت اور وقت کے تقاضے، بحوالہ فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ص ۲۵۹، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔

۲۱۔ بحوالہ، اقبال کا نظریہ اجتہاد، ڈاکٹر خالد مسعود، ص ۱۹۲، ۱۹۳، مطبوعہ مطبوعاتِ حرمت، بینک روڈ، راولپنڈی، ۱۹۸۵ء۔ تفصیلات کے لئے مذکورہ کتاب کا مطالعہ کریں۔

۲۲۔ محبوب علی، مولوی، تشریح و تفہیم مسائل مندرجاتِ کتاب ہدایت المسلمین، ص ۲۱۸، مطبوعہ نظامت اوقاف، مظفر آباد آزاد کشمیر، ۱۹۸۵ء۔

۲۳۔ حسینی، عطاء اللہ، سید، اسلامی نظام ایک مطالعہ، ص ۳۶۱، مطبوعہ گردیزی پبلشر کراچی ۱۳۹۹ھ

۲۴۔ ڈار، بشیر احمد، فکر اقبال۔ مسئلہ اجتہاد، بحوالہ مطالعہ اقبال، مرتب، گوہر نوشاہی، ص ۲۸۵، مطبوعہ بزم اقبال، کلب روڈ لاہور، ۱۹۸۳ء۔

وحید الدین، سید، پروفیسر، اسلامی فکر کی تشکیل نو، اقابل کی نظر میں، بحوالہ فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ص ۲۶۱، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔

۲۵۔ مسعود، خالد، ڈاکٹر، اقبال کا تصور اجتہاد، ص ۲۳۴، ۲۳۵، مطبوعہ مطبوعاتِ حرمت راولپنڈی، ۱۹۸۵ء۔

مجلّہ کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ فرمائیے۔